

# بچوں کی کہانیاں



مکتبہ جامعہ ملیہ اسلامیہ، نئی دہلی

# بچوں کی کہانیاں

از

الوارث صاحب سندھی استاد مدرستہ ابتدائی جامعہ  
عبدالحق صاحب سندھی استاد مدرستہ ابتدائی جامعہ

مکتبہ جامعہ دہلی

قیمت ۲۰

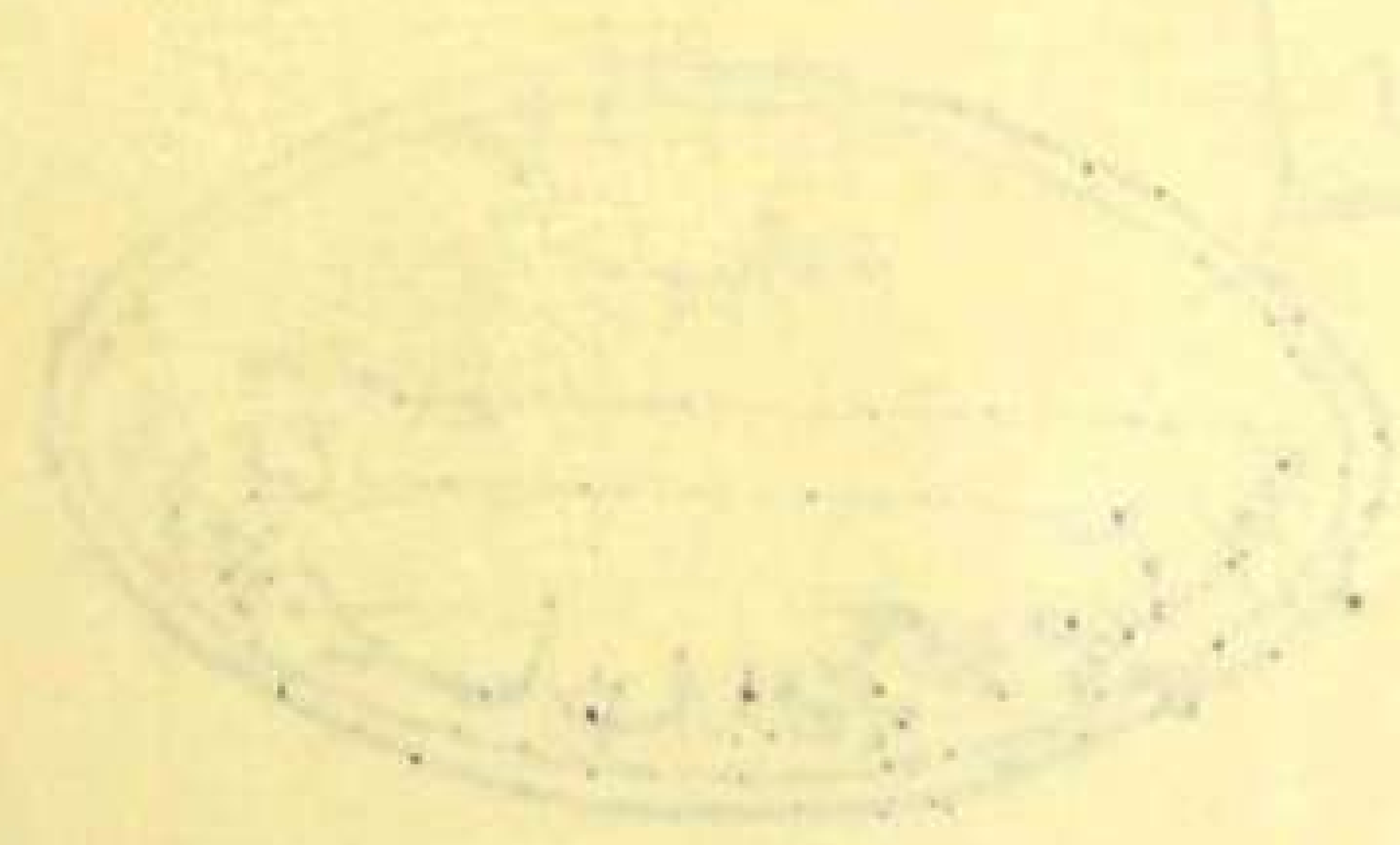
۱۹۳۸ء

بار دوم دواخرا

مکتبہ جامعہ دہلی کتاب گھر خیریت آباد (پیراڈوکن)

سائنس کی تاریخ

پروفیسر ایچ ایم سہاسرائی



مطبوعہ جید برقی پریس دہلی



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

چڑیا، طوطے، اور کوئے

کی کہانی

ایک ندی تھی۔ اُس کے ایک کنارے  
جنگل تھا۔ اُس کے بیچوں بیچ ایک پیل تھا۔ یہ پیل  
بہت پرانا تھا۔ اُس کی ایک ٹہنی پر چڑیا کا گھونسلہ تھا۔  
دوسری پر طوطے کا، اور تیسری پر کوئے کا۔



چڑیا بڑی خوب صورت تھی۔ اُس کے پر  
 چمکیلے تھے۔ اُس کی ٹانگیں پتلی پتلی تھیں۔ آنکھیں  
 ننھی مٹی سی تھیں۔ اُس کی آواز بڑی پیاری تھی۔  
 وہ اکثر چوں چوں کرتی رہتی تھی۔ بڑی بھولی بھالی تھی۔  
 اُس جنگل کی ساری چڑیاں اُسے اپنی رانی مانتی تھیں۔





طوطا ہر ہر ا تھا۔ اُس کے پر ہرے ہرے  
 تھے اُس کی ٹانگیں مضبوط تھیں۔ اُس کی چونچ  
 آگے سے مڑی ہوئی تھی۔ جو آواز سنتا اُس کی نقل  
 کرتا، صبح اور شام ہر دم میں ٹیں کرتا رہتا۔ وہ پیارا  
 تھا۔ اس جنگل کے سارے طوطوں کا راجہ تھا۔

کو ا کالا کلوٹا تھا۔ اُس کے پر کالے چمکیلے تھے۔

اُس کی چونچ نیکیلی تھی۔ اُس کے پاؤں میلے سے

تھے۔ وہ پھدک پھدک کر چلتا تھا۔ اُس کی آواز

بھی کچھ اچھی نہ تھی۔ یہ ہمیشہ کائیں کائیں کرتا رہتا۔

مُجم جانو تھا بڑا سیانا۔ اِس جنگل کے سارے کوئے

اُسے اپنا سردار کہتے تھے۔

اِس ندی کے دوسرے کنارے ایک

باغ تھا۔ وہ ہرا بھرا تھا۔ اُس میں ایک طرف

آم کے پیڑ تھے۔ دوسری طرف امرود کے۔



تیسری طرف انار کے، چوتھی طرف نیبو اور سنترے  
 کے۔ اس باغ میں ایک کنائے ناشپاتی کے  
 درخت تھے اور دوسرے کنائے بیری کے۔

اس باغ کا مالی سُست تھا۔ اس باغ

میں پرندے آتے، مزے سے پھل کھاتے

اور اپنے بچوں کے لئے بھی لے جاتے چڑیا

طوطا اور کوٹا بھی اس باغ میں آتے۔ وہ بھی

جی بھر کے مزے سے پھل کھاتے اور اپنے

گھروں کو چلے جاتے۔



برسات کے دن تھے۔ ام کے درخت آموں سے

لدے ہوئے تھے۔ ایک دن چڑیا بولی ”میاں

طوطے چلو باغ چلیں“۔ طوطے نے جواب دیا۔

”اچھا رانی جی“۔ چڑیا نے کوئے سے کہا ”چلو آج باغ

کی سیر کرائیں“۔ کوّا بولا۔ ”چلئے تیار ہوں“۔ تینوں

بل کر باغ کو چلے۔

چڑیا آگے آگے اڑ رہی تھی اور خوشی کے مارے

چوں چوں کرتی جا رہی تھی۔ طوطا اُس کے پیچھے

ٹپ ٹپ کرتا جاتا تھا اور سب سے پیچھے کوّا کاٹیں

کائیں چلاتا جا رہا تھا۔ اڑتے اڑتے باغ میں  
 آموں کے درختوں پر آ بیٹھے۔



چڑیا نے ایک اچھا مٹا سا آم لیا۔ طوطے نے  
 ذرا بڑا سا آم لیا۔ کوئے نے سب سے بڑا آم لیا۔ گھر  
 لوٹے۔ شام ہو گئی۔ چڑیا بولی "طوطے، طوطے ابھیہا را آم"



کیسا ہے،؟ طوطے نے آم کُترا اور بولا: "رانی جی !  
 میرا آم میٹھا ہے،" چڑیا نے پوچھا "کوئے کوئے !  
 تمہارا آم کیسا ہے؟" کوئے نے چونچ سے آم چکھا۔  
 اور پھر منہ بنا کر کہا "رانی جی میرا آم تو کھٹا ہے،"  
 "آخر میں چڑیا بولی "میرا آم بہت میٹھا ہے،"  
 چڑیا نے ذرا سا آم کھایا۔ طوطے نے ادھا آم  
 کُتر کر کھایا۔ کوئے نے اپنا سارا آم کھا لیا۔ پھر چڑیا  
 اور طوطے کے آم چٹ کر لئے۔ چڑیا اور طوطا مسکرا  
 کر بولے "میاں کوئے تو بڑے پیٹو ہیں۔"

اب سورج ڈوب گیا۔ چڑیا تھکی ہوئی تھی۔ طوطا  
 تھکا ہوا تھا۔ کوئے نے بہت سارے آم کھائے  
 تھے اُس سے بیٹھانہ جاتا تھا۔ سب کے سب اپنے  
 اپنے گھونسلے میں آرام کرنے گئے اور ہم اپنے  
 ابا کو یہ کہانی سناتے سناتے اپنے اُجلے بستر پر  
 سو گئے۔





# راج ہنس کی کہانی

راجہ کا ایک باغ تھا۔ اُس کے بیچ میں ایک

تالاب تھا۔ وہ تالاب بڑا بھی تھا اور گہرا بھی تھا۔

اس کا پانی ایسا سفید تھا جیسا دودھ۔ اُس کے

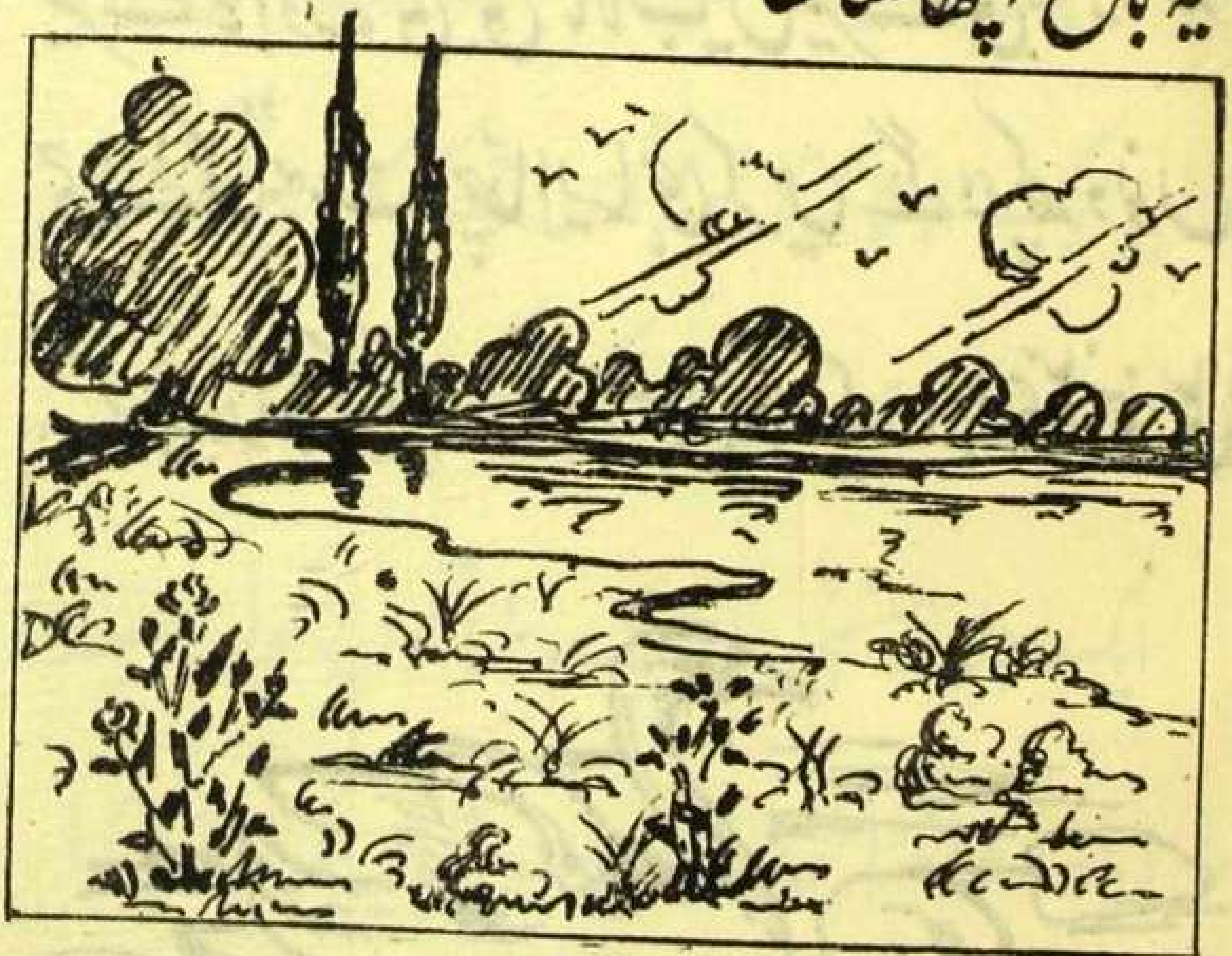
کنارے سبزہ تھا، اور اس سبزے میں رنگ

رنگ کے پھول تھے۔

راجہ اپنی رانی کے ساتھ ہر روز شام کو سیر

کرنے آتا۔ راجہ کو یہ باغ پسند تھا۔ رانی کو بھی

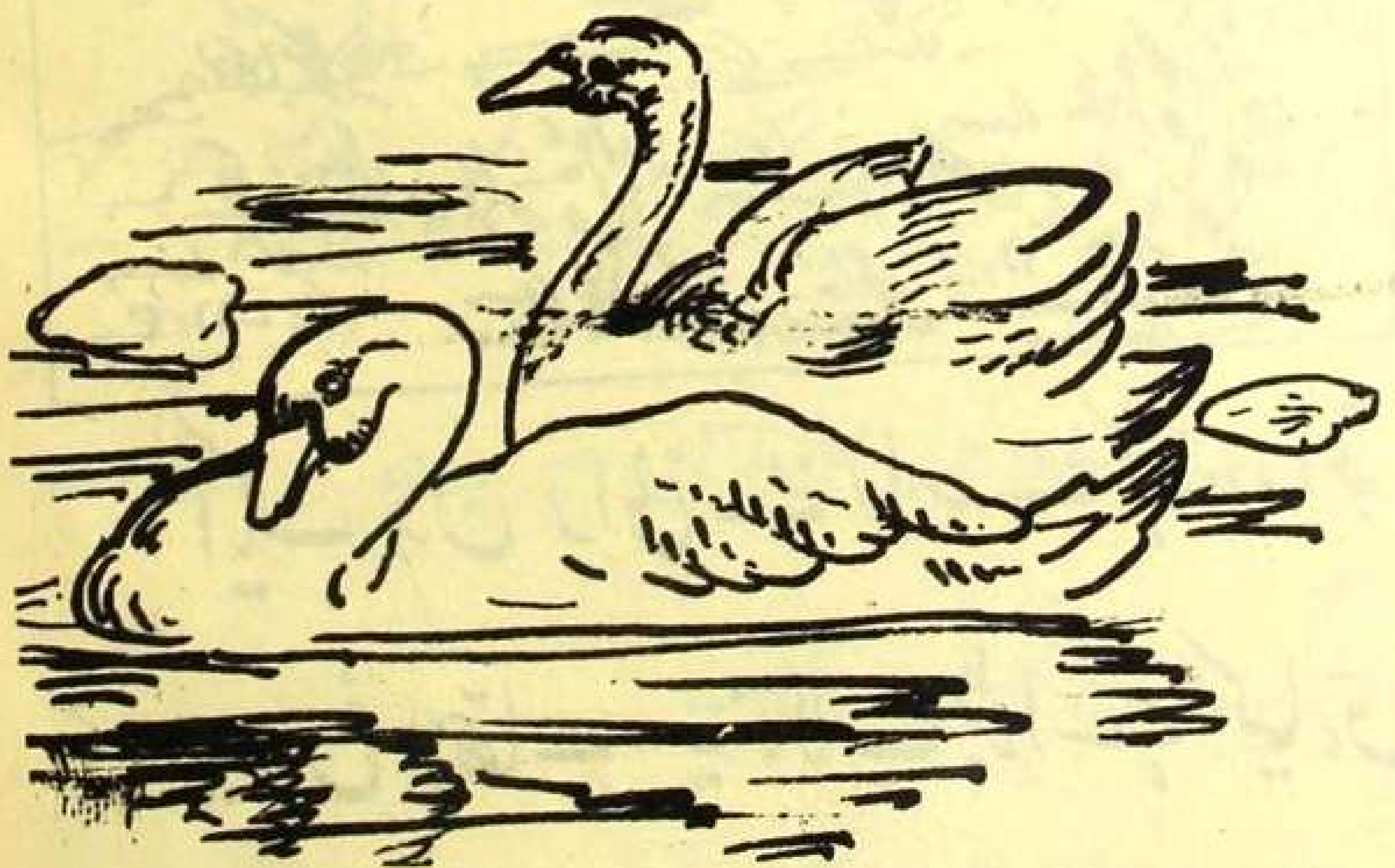
یہ باغ اچھا لگتا تھا



ایک دن رانی نے راجہ سے کہا "راجہ  
 جی! یہ باغ اچھا ہے۔ یہ تالاب بڑا ہے۔ کیا ہی  
 اچھا ہو، آپ ایک خوب صورت مہنس اور ایک  
 خوب صورت مہنسی پالیں۔ مہنس تالاب میں

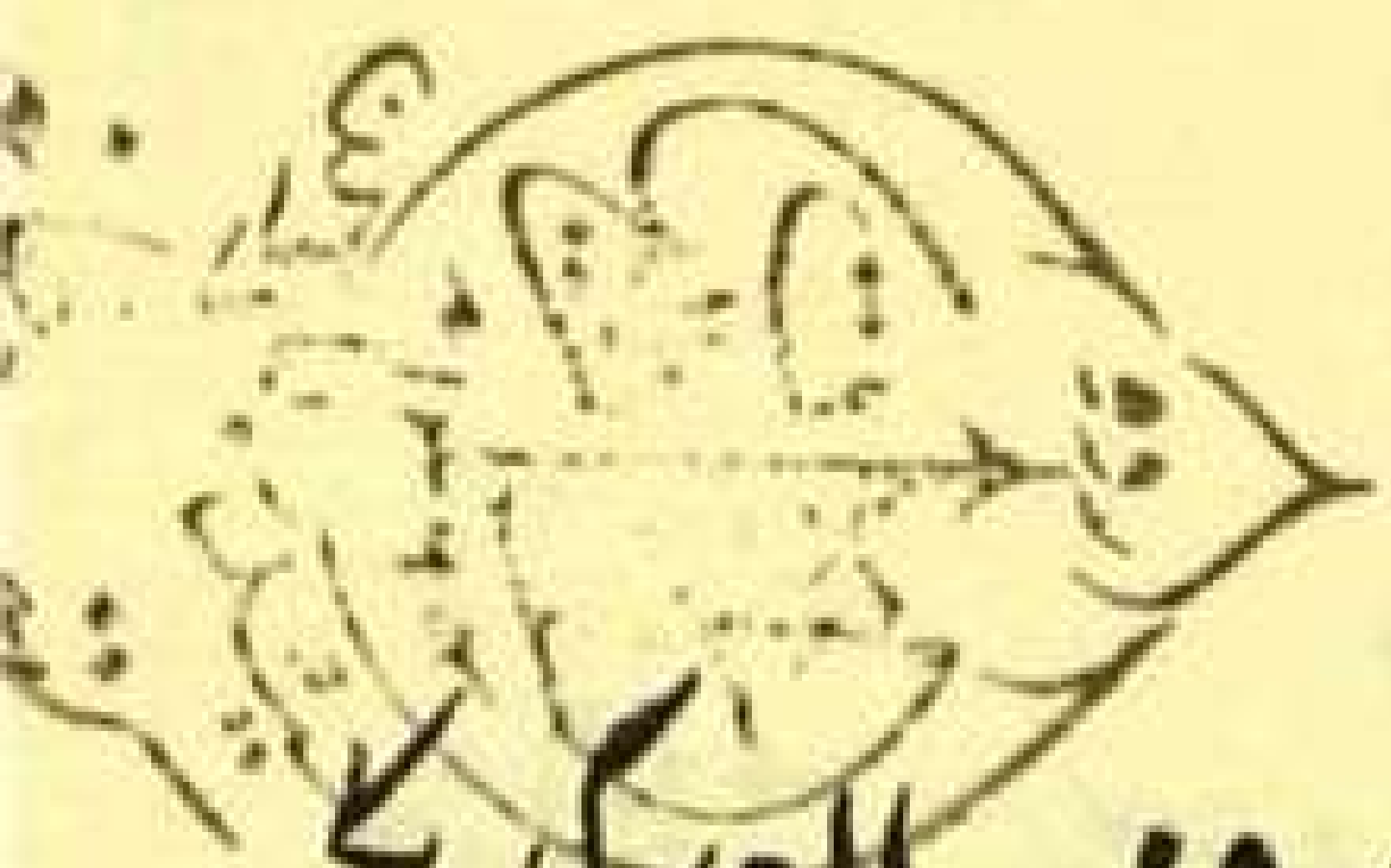


تیرے گا اور مہنسی بھی "تالاب میں تیرے گی" راجہ  
 جی نے کہا "بہت اچھا ایسا ہی کریں گے" کچھ دنوں  
 کے بعد راجہ کو ایک بڑا مہنس ملا، ایک بڑی مہنسی ملی۔



راجہ نے اُن کو بڑے شوق سے پالا۔ مہنس بھی

خوب صورت تھا۔ اور مہنسی بھی خوب صورت



تھی۔ ان کے پر ایسے سفید تھے جیسے برف۔ ان کی دیکھ

بھال ایک لڑکا کرتا تھا اس لڑکے کا نام جگوتھا۔

جگوتیری ہوشیاری سے ان کی رکھوالی کرتا تھا۔

ایک دن مہسنی نے ایک بڑا گول گول سفید

انڈا دیا۔ وہ انڈا خوب صورت تھا۔ جگوتے نے انڈا

راجہ کو دکھایا۔ رانی کو دکھایا۔ دونوں خوش ہوئے۔

راجہ نے جگوتے کو انعام دیا۔ جگوتے بھی خوش ہوا۔

جگوتے ایک ٹوکرا لایا۔ نرم نرم گھاس لایا۔ گھاس

کو ٹوکری میں رکھا۔ پھر ٹوکری کو ایک کونے میں



حفاظت سے رکھا۔ ہینسنی نے کل سات بڑے  
 بڑے انڈے دیئے۔ جگو ان کو ہوشیاری سے  
 اٹھاتا اور ٹوکڑے میں رکھتا جاتا۔ ان کو سجا سجا کر  
 رکھتا۔ پہلا انڈا بیچ میں رکھتا۔ باقی چھ انڈے  
 اس کے چاروں طرف اس طرح رکھے جس طرح  
 ننھے مٹے نیچے گھیرے کا کھیل کھیلتے ہیں۔ ایک  
 دن ہینسنی اپنے انڈے تلاش کرنے لگی۔ تلاش  
 کرتے کرتے تھک گئی مگر اسے نہ ملے۔ وہ  
 سارا دن اُداس اُداس سی رہی۔ نہ کچھ کھا یا

نہ پیا۔ نہ انڈا ہی دیا۔ تالاب کے کنارے پروں میں  
 مُنہ چھپا کر بیٹھ گئی اور ہنس بھی چپ چاپ اُس کے  
 قریب ہی قریب ٹہلنے لگا۔ جگو سمجھ گیا۔ وہ ہنسنی کو  
 انڈوں کے پاس لے گیا۔ ہنسنی اُن کو دیکھ کر خوش  
 ہوئی اور ہنس ہنس بولنے لگی۔

ہنسنی اُسی دن سے انڈوں کو سینے لگی۔ ایک  
 مہینے تک ان انڈوں کو سیتی رہی اور ہنس  
 لڑکے کے چاروں طرف پھرتا رہا۔ ایک دن جگو  
 صبح سویرے اُٹھا۔ دیکھا کہ مُنہ ہنس ہنسنی کے



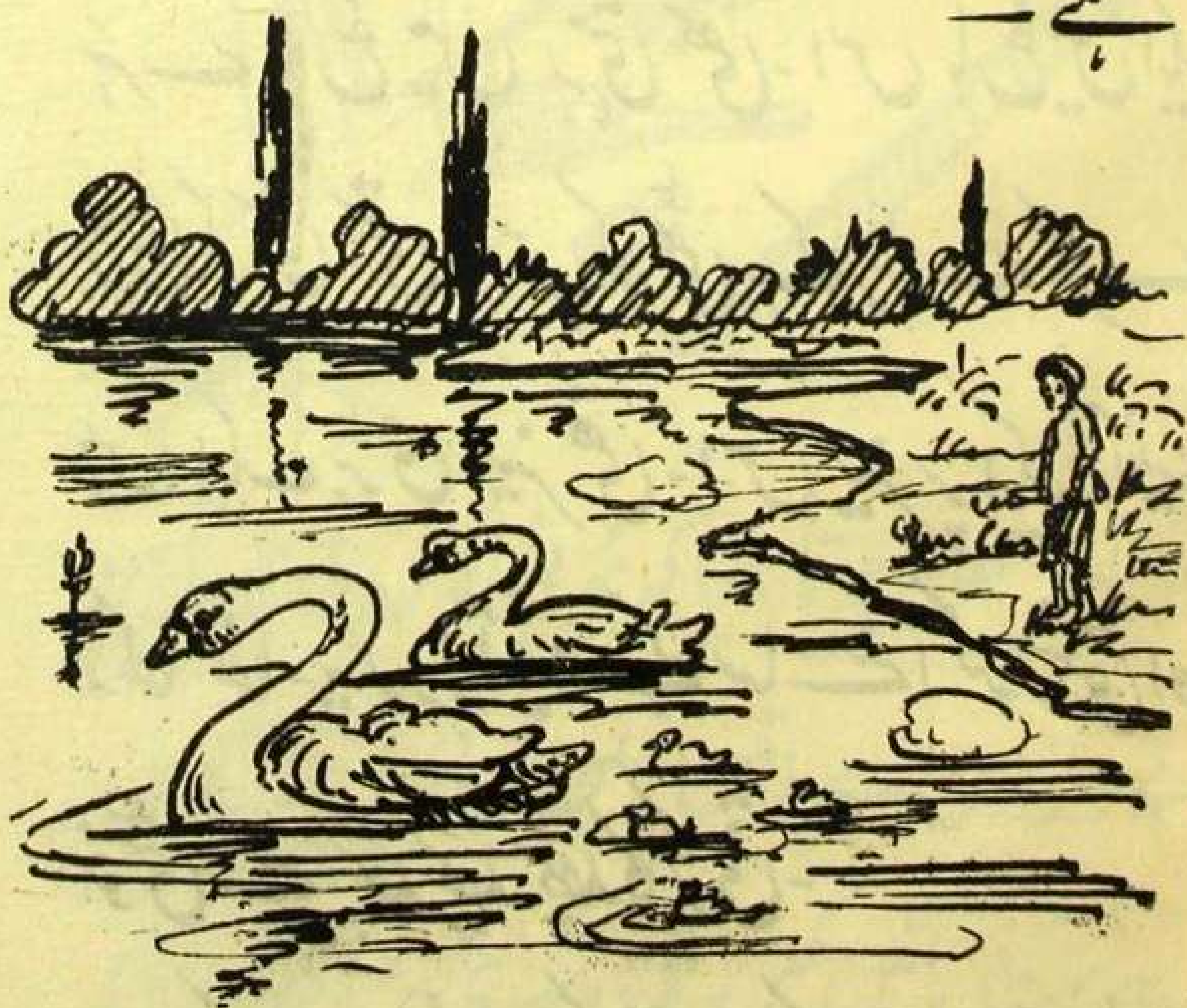
پچھلے پچھلے چل پھر رہے تھے اب اس تالاب میں  
ہمنسوں کا بڑا سا خاندان ہو گیا۔



بہت سے ہمنس دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا اور جگو  
کو انعام دیتا۔ جب تک راجہ جیتا رہا ہی ہوتا  
رہا۔ اس وقت بھی اگر تم اس تالاب کے کنارے

جا کر دیکھو تو تم کو اس مہنس اور مہنسی کے بیٹے اور بیٹیوں  
 کے بچے تیرتے ملیں گے۔ اس تالاب پر ان کا راج  
 ہے اور ان کا رکھوالی کرنے والا جگمگا کا بیٹا بھگتو

ہے۔





چڑیا اور طوطے میاں

ایک ننھی مُنٹی چڑیا تھی۔ وہ ایک ہرے

ہرے باغ میں رہتی تھی۔ اس باغ میں ایک

بڑی کوٹھی تھی۔ اس کوٹھی کے بڑے کمرے

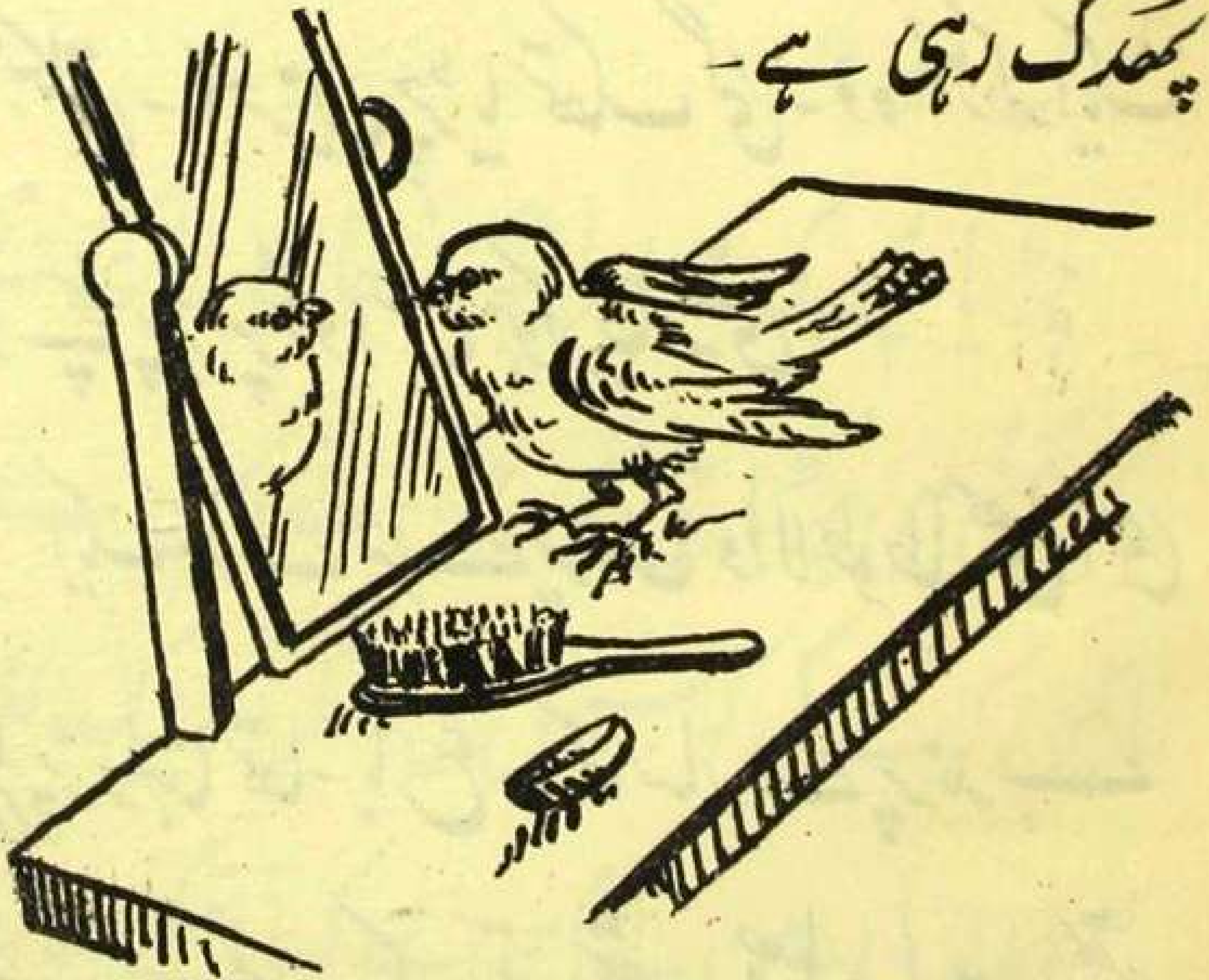
میں ایک بڑی مینر تھی۔ اس مینر پر ایک آئینہ

رکھا تھا۔ یہ روز آئینہ کے سامنے آکر بیٹھتی اور

خوشی سے چھوچھوچھو کا کرتی۔

ایک دن اُس کی نظر چانک اس آئینے

پر جا پڑی۔ کیا دیکھتی ہے کہ ایک چڑیا بیٹھی  
پھدک رہی ہے۔



ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہو بہو اُس کی چھوٹی بہن  
ہے۔ مگر اس سے باتیں نہیں کرتی۔ چڑیا نے اس  
سے بہت باتیں کیں۔ مگر دوسری چڑیا کچھ نہ بولی



صرف بس اُس کی چونچ اور پر پلٹتے، آواز  
نہ نکالتی۔ آخر میں چڑیا تھک گئی۔ وہ اڑ کر ایک

اونچے پیڑ پر اُدا اس ہو کر جا بیٹھی۔

ایک ہرے ہرے پروں والا طوطا بھی اسی  
پیڑ پر رہتا تھا۔ باغ کے سارے پرندے  
اس سے محبت کرتے تھے۔ اصل بات یہ تھی  
کہ طوطے میاں اس باغ کے سارے  
پرندوں کی مدد کرتے تھے۔

طوطے نے چڑیا کو اُدا اس اُدا اس سا دیکھ کر

کہا۔ ”بیٹی، کیوں، خیر تو ہے؟ آج اُداس  
کیوں ہو؟“

چڑیا سُچھدک کر بولی۔ ”نانا جان! آج مجھے  
ایک مُنتی سی چڑیا ملی تھی۔ میں نے اُس سے  
باتیں کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ ایک لفظ  
بھی نہ بولی۔ میں نے اُس سے کوئی تیکھی بات  
بھی تو نہیں کی۔ ہاں اُس سے دو چار میٹھے  
بول بولے تھے۔“

تم جانو میٹھو ہوتا بڑا سیانا ہے۔ وہ ٹپس



ٹہیں کر کے بولا۔ بیٹی مجھے بتاؤ وہ جگہ کہاں ہے  
 جہاں وہ چڑیا تم سے ملی تھی۔ چڑیا آگے آگے،  
 میاں مٹھو پیچھے پیچھے۔ دونوں اڑ کر کوٹھی کے بڑے  
 کمرے میں میز کے پاس پہنچے۔ چڑیا نے میاں مٹھو کو  
 بتایا کہ وہ مٹنی چڑیا یہاں تھی۔

اب دونوں آئینے کے سامنے آگئے۔ پہلے طوطے  
 نے دیکھا کہ ایک طوطا اُس کی شکل کا دکھائی دیا  
 پھر چڑیا کو اپنی جیسی مٹنی سی چڑیا دکھائی دی۔ اب  
 میاں مٹھو نے اُسے اصلی بات سمجھائی کہ یہ آئینہ ہے۔

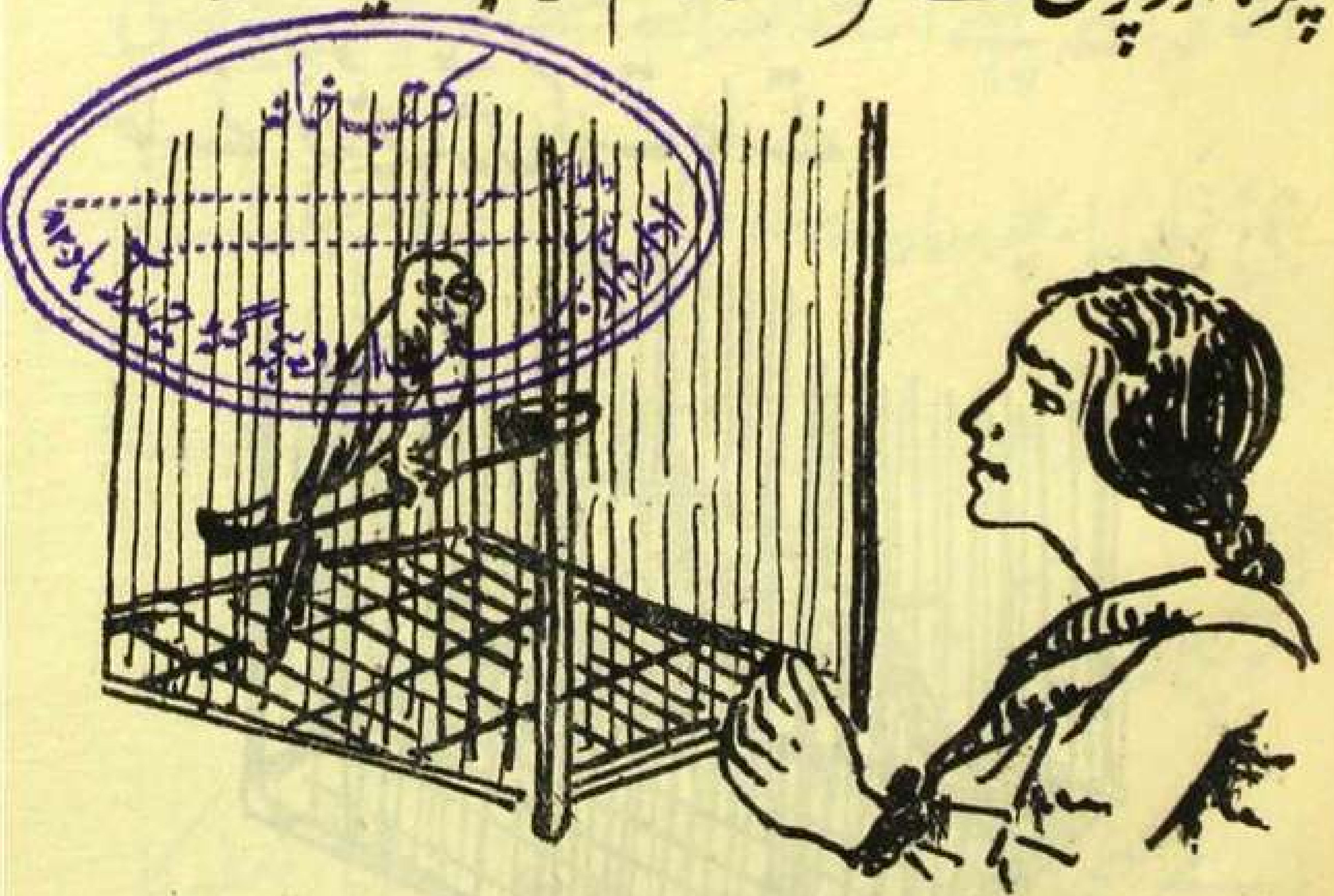
اس میں لوگ اپنی شکل دیکھتے ہیں۔ آئینے کے سامنے  
 جو چیز آئے گی وہ ہو ہو ایسی نظر آئے گی جیسی وہ ہو گی۔“  
 اب اصل بات چڑیا کی سمجھ میں آگئی۔ میاں  
 مٹھو سے مسکرا کر بولی۔ ”نانا جان اب میں سمجھ گئی  
 یہ آئینہ ہے اور آئینے کے کام بھی سمجھ گئی۔ اچھا اب  
 جاتی ہوں۔ آداب! یہ کہہ کر اڑی اور اپنے گھونسلے میں  
 جا پہنچی۔ اُس دن سے چڑیا طوطے میاں کو اپنا استاد  
 سمجھنے لگی۔ سمجھے بھی بھلا یہ کیوں؟ اس لئے کہ  
 میاں مٹھو نے اُسے آئینے کے کام بتائے۔



# آصفہ کا طوطا

ہمارے پڑوس میں ایک لڑکی رہتی تھی  
اس کا نام آصفہ تھا۔ آصفہ بڑی اچھی لڑکی تھی۔  
اُسے جانور پالنے کا شوق تھا۔ ایک دن  
طوطوں والا آیا۔ آصفہ نے ایک چھوٹا طوطا  
خریدا۔ وہ ابھی بچہ تھا۔ بڑا خوب صورت۔  
اُس کے ہرے ہرے پر تھے۔ اس کی گردن  
پر لال لال دھاری تھی۔ اس کی چونچ بھی لال

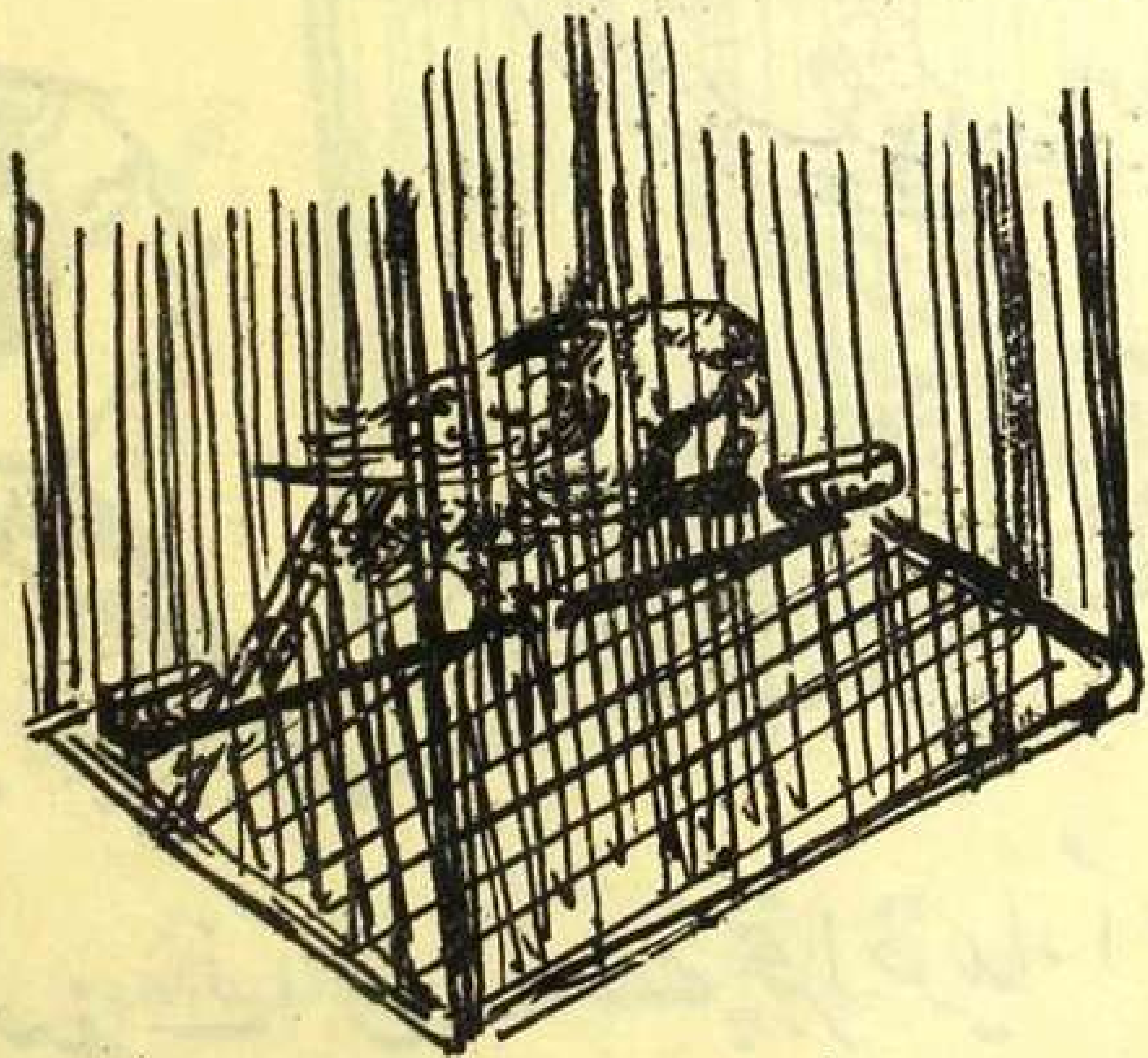
تھی۔ اُس کے پاؤں مضبوط تھے۔ پنچوں سے چنیریں  
پکڑتا اور چونچ سے کترتا۔ کھاتا کم خراب زیادہ کرتا۔



آصفہ نے اُس کے لئے پنجر خریدیا۔ اُس  
میں ایک صاف پیالی تھی۔ ایک چھوٹی نشتری  
تھی۔ پیالی میں طوطے میاں پانی پیتے۔ نشتری



میں رونی کھاتے۔ پھل کھاتے۔ مٹھائی بھی کھاتے۔  
ایک مٹا سا جھولا بھی تھا۔ طوطے میاں اس پر چبوتے  
جاتے اور ٹیٹیں کرتے جاتے۔



آصفہ نے سوچا۔ طوطے میاں کو پڑھانا  
چاہیئے۔ ایک دن اُس کی بسم اللہ ہوئی۔

سارے محلے کے طوطوں کو کھلے مے میٹھائی ملی۔  
 آصفہ نے پہلے اُسے اللہ اللہ سکھایا۔ پھر نبی جی۔ نبی

جی سکھایا۔ پھر سارے گھر والوں کے نام سکھائے۔

آصفہ کا طوطا روز صبح سویرے اُٹھتا۔ سب  
 کو پکار پکار کر جگاتا۔ جب بھوک لگتی تو زور زور

سے چیختا۔ ”بی بی بھوک لگی ہے“ جب آصفہ کا

بھائی آصف مدرسے سے لوٹتا، تو خوش ہو کر چلاتا۔

”بھائی جان آگئے۔ بھائی جان آگئے۔“

ایک دن طوطے میاں نے بہت ہوشیاری کا

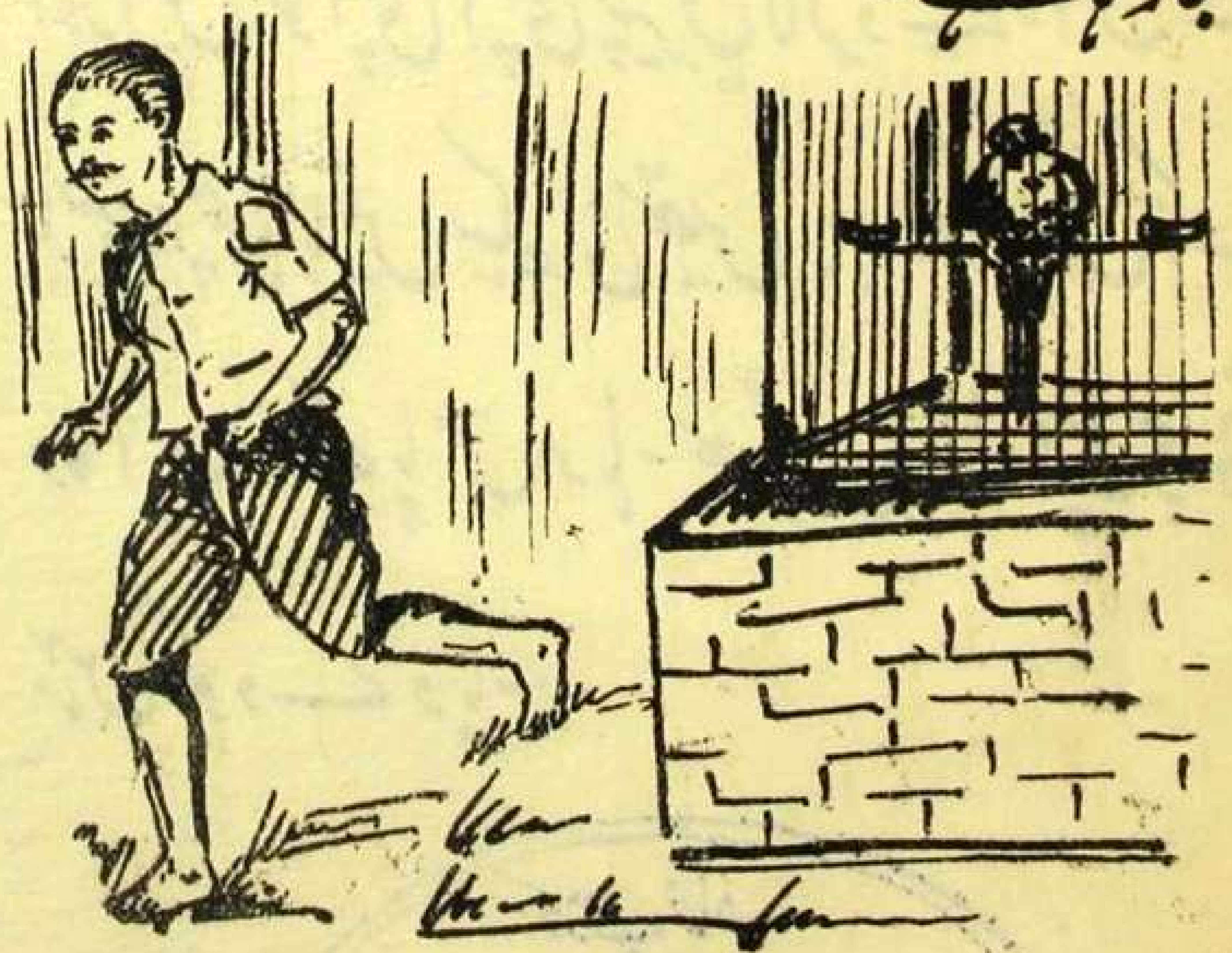


کام کیا۔ آصفہ کے پاس ایک چھوٹی سی سونے کی  
انگوٹھی تھی۔ وہ گم ہو گئی۔ سب نے گھر میں تلاش  
کیا۔ مگر کہیں نہ ملی۔

تھوڑی دیر کے بعد نوکر نے میاں طوطے  
کا پنجرہ باہر باغ میں لٹکا دیا۔ اسی باغ میں ایک  
مزدور کام کر رہا تھا۔ طوطے میاں کو شرارت  
سوچھی، وہ چیخنے اور چلانے لگا۔ ”چور! آپا چور“  
انگوٹھی مزدور نے چرائی تھی، وہ سمجھا میرا بھید  
کھل گیا اور بھاگ کھڑا ہوا۔ لوگ طوطے کی

آواز سُن کر باہر نکلے۔ کیا دیکھتے ہیں۔ میاں  
طوٹے چلائے جا رہے ہیں اور مزدور بھاگا

جا رہا ہے۔



اب سب سمجھ گئے کہ آصفہ کی انگوٹھی مزدور

نے چرائی ہے۔ لوگوں نے اُسے پکڑ لیا۔ اُس



کی جیب ٹوٹی تو انکو سٹھی نکلی۔ پھر تباؤ بھلا کیا ہوا ہوگا۔

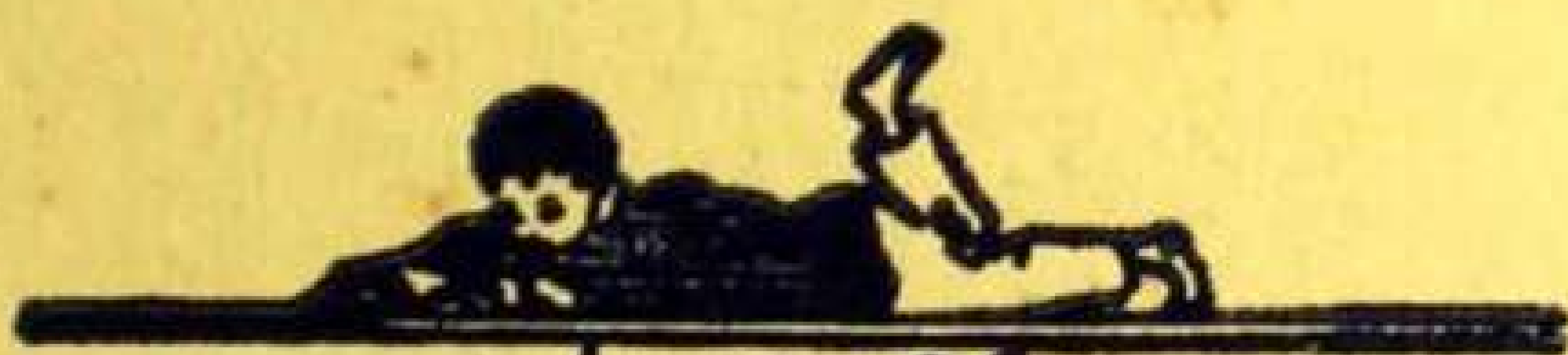
اب سارے لوگ میاں طوطے کو پیار کرتے

اور اُس کو اچھی اچھی چیزیں لاکر دیتے۔ اُس نے

اچھی اچھی باتیں سیکھ لی تھیں۔ بہت دنوں تک

وہ آصفہ کے پاس رہا۔ پھر اُس نے اپنی چھوٹی

بہن کو دے دیا۔



## پیام تسلیم

جامعہ کے بچوں کیلئے ایک ماہانہ رسالہ پیام تعلیم کے ہم  
سے نکلتا ہے۔ اس کے ذریعہ انہیں اچھی اچھی کہانیاں سنائی جاتی  
ہیں اور خالی وقت میں مصروف رکھنے کیلئے کارآمد مشغلے ہتھ  
جاتے ہیں۔ سال میں ایک بار سنانا شروع ہوتا ہے جسے مفید  
دیکھنے والوں کا مخزن کہنا چاہئے۔ چند سالانہ عمارت

مکتبہ جامعہ دہلی